مشقت اور تجارت کے ذریعہ دولتمند نہ بنینگے دنیا کے کسی گوشہ میں بھی ہماری عزت اور توقیر نہیں ہوسکتی۔ بلکہ مجھے تو یہ بھی کہنے میں تامل نہیں کہ مفلس آدمی کی عبادت بھی درحقیقت عبادت نہیں۔ اسلئے کہ اسے تو ہر وقت یہ فکر ہوگا کہ چہ خورد بامداد فرزندم۔ یعنی صبح بچوں کے کھانے کا کیا بندوبست ہوگا پس جب دل ہی درست نہیں تو عبادت کا کیا لطف ؎

سبحہ در دست تو ہی گوید ✤ دل بگرداں مرا چہ گردانی

فلسطین کے حالات پر ایک نظر

(از مولوی محمد ادریس صاحب آزاد املوی متعلم مدرسہ رحمانیہ دہلی)

فطرت نے ازل ہی سے حامیانِ شریعت محمدی کے مسخر ہونے والے دلوں کو حریت و آزادی کا ایک ایسا جذبہ ودیعت کیا ہے جس کے باعث انھوں نے صدیوں دنیا پر حکمرانی کی۔ اور بڑی بڑی قہرمانی قوتوں کو جوان کے مقابل میں صف آرا ہوئیں مسل کر رکھدیا۔

بڑی بڑی طاغوتی طاقتیں پورے جاہ وجلال کے ساتھ میدان کارزار میں آئیں لیکن شمع حریت کے پروانوں نے ان ٹٹی دل حامیانِ باطل کو چشم زدن میں کاٹ ڈالا اور فطرت کے جذبے کو لیکر جس طرف رُخ کیا دنیا ان کے خوف سے کانپ اٹھی۔ ان کے جاہ وجلال ان کی حشمت وعزت ان کا وقار اور ان کے دبدبے نے دنیا کے نقشے بدل دیئے۔ وہی عرب کے چند قبائل جو ابھی ابھی اسلامی تاثرات لیکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ قیصر وکسریٰ کی حشمت وعزت خاک میں ملانے پر کمربستہ نظر آتے ہیں ایک طرف روم اور فارس کے جنگجو بہادر صف آرا ہیں تو دوسری جانب اسلام کے سرفروش اور جان نثار سپاہی۔

اس وقت حق وباطل صداقت اور عدم صداقت کا امتحان ہے لیکن وہی عربی نژاد قبائل اپنی والہانہ اسلامی عقیدت کی بنا پر میدان سے مظفر اور منصور لوٹتے ہیں اور بڑے بڑے کہنہ مشق جنگ جو بہادروں کی پیشانیاں ان کے سامنے جھک رہی ہیں۔

ابھی خلافت راشدہ کی سی سالہ مدت ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اسلامی پرچم عراق۔ عرب۔ ایران۔ قفقاز۔ اور ہندوستان وغیرہ کی شان دار حکومتوں کے محلات پر لہرانے لگا۔ مسلمان جاں نثاروں کی قوت بازو نے ساری دنیا کو اس قلیل مدت میں مطیع بنالیا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ط لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہی متبعین دین مبین جس کے شہسواروں نے اپنی جنگی سرگرمیوں کے باعث دنیا کو محو حیرت بنادیا تھا اور جس کے افراد نے سلطان صلاح الدین ایوبی وغیرہ کی شکل میں بیت المقدس

اور دوسرے اطراف عالم کو فتح کیا تھا آج اسی دین مبین اور شریعت مطہرہ کے ماننے والوں کو اسی مقدس سرزمین فلسطین میں جو کبھی مسلمانوں کے زیر نگین تھی پامال کیا جارہا ہے اور ان کے جذبۂ آزادی کو دبانے کیلئے بے دھڑک مادی قوت استعمال کی جارہی ہے۔ حکومت کی فوجیں برابر اپنے فیصلۂ صیہونیت نوازی کے واسطے وہاں پہنچ رہی ہیں اور حکومت اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے سے انکار کررہی ہے۔ برطانیہ کا شاہی کمیشن فلسطین کے عربوں کے حالات کی تحقیقات کیلئے ان کے سامنے جو شرائط پیش کررہا ہے عربوں کو اس سے اتفاق نہیں۔ حریت پسند مسلمان اپنے مطالبات پر پوری طرح اڑے ہوئے ہیں وہ اپنی تحریک اس وقت تک جاری رکھنے کا فیصلہ کرچکے ہیں جب تک ان کے پیش کردہ دفعات پر حکومت پوری طرح عمل درآمد نہ کرے۔ اس طرح محبانِ وطن کی جانیں وطن کی آزادی کے واسطے وطن پر قربان ہورہی ہیں اور وہ ہر امکانی کوشش کے ساتھ اپنی حریت طلبی اور وطنی محبت کا زندہ ثبوت بہم پہنچارہے ہیں۔

یہ وہ حالات ہیں جو فلسطین کے ان گذشتہ حکمرانوں کے ساتھ برتے جارہے ہیں جو حوادثات زمانہ کے باعث محکوم ہوگئے ہیں اور جن کی ہر آواز اس وقت صدا بصحرا ثابت ہورہی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ بہت ہی تفصیل طلب ہے اور جب تک اس کے واقعات کو غائر نظر سے نہ دیکھا جائے اس وقت تک اس کی پوری کیفیت کا سمجھنا دشوار ہے اس وجہ سے میں اسکو کچھ تفصیل کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔

سب سے پہلے مجھے یہ دیکھکر سخت تعجب ہوتا ہے کہ ایک مشہور فرانسیسی۔ تمدنی مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے اپنی کتاب "تمدن عرب" کے حاشیہ پر موسیو کات کا وہ نوٹ جو مراکش کے یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات پر مشتمل ہے پیش کرتے ہوئے اس بات کے ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے کہ مسلمان عربوں اور یہودیوں کے تعلقات بہت زیادہ قابل رحم ہیں حتی کہ یورپین قوموں نے جو ناخوشگوار تعلقات یہودیوں سے روا رکھے ہیں مسلمان عربوں نے اس سے بھی زیادہ غلو کیا ہے چنانچہ ڈاکٹر موصوف اسی حاشیہ میں دوسری جگہ خود اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کررہے ہیں۔ کہ "میں نے اپنی اثنائے سیاحت میں جرمنی اور پولینڈ اور گالیشیا اور روس و مشرق میں یہودیوں کی ذلیل حالت کو دیکھا۔ لیکن جو کچھ خواری اس قوم کی یورپ میں ہے وہ بالمقابل اس نفرت کے جو عرب ان سے کرتے ہیں کچھ بھی نہیں عربوں کی نظروں میں یہودی ایک نجس جانور ہے جس کے ساتھ ہر قسم کی بدسلوکی جائز ہے۔ الجزائر میں جب کوئی عرب کسی یہودی سے مخاطب ہوتا ہے تو اسے الجیفہ ابن الجیفہ کے نام سے پکارتا ہے۔

یہ ہیں ڈاکٹر گستاؤلی بان کے وہ خیالات جن سے ہم تعجب کررہے ہیں۔ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ یہ یورپین مورخوں کا شیوہ ہے کہ وہ اپنی تصنیفات میں بہت سی لغو اور بے سروپا باتیں کہہ جاتے ہیں جن کا اصل واقعہ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ غدر دہلی وغیرہ کے متعلق بہت سی یورپین تصنیفات ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ جن کے متعلق خود بعض انگریز مصنفین نے اظہار افسوس کیا ہے۔ بہرکیف ڈاکٹر گستاؤلی بان بھی انھیں انگریز مورخین و مصنفین میں سے ہیں گرچہ انھوں نے اپنی تصنیفات میں نہایت ہی روا داری سے

کام لیا ہے اور واقعات کو ایک حد تک اصلی صورت میں پیش کرنیکی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی وہ مغربی تعصب نہ گیا اور کہیں کہیں وہ اپنی ساری رواداریوں کو بھول بیٹھے ہیں

یہ حقیقت ہے کہ اسلامی حکومت کے زیر سایہ یہودیوں نے بہت کچھ ترقیاں کیں اور ان کی حالت اس دور میں بہت زیادہ سدھر گئی۔ مذہبی شعائر کی آزادی اجتماعی و معاشرتی اعمال میں خود مختاری یہ ایسی چیزیں تھیں جن کو خود بہت سے یہودی مورخین نے بھی تسلیم کیا ہے اور تواریخ بھی اس پر شاہد ہیں لیکن تعجب ہے کہ یہی ممتاز دور ڈاکٹر صاحب کی نظروں میں کھٹک رہا ہے۔

البتہ یہودیوں کیلئے سب سے بڑا سم قاتل دور اسلامی سلطنتوں کی تباہی اور مسیحیت کے عروج کا زمانہ ہے جس میں مسیحیوں نے دل کھول کر ان پر ظلم کئے اور ان کے دینی۔ ملی اور ہر قسم کے نظام کے تباہ و برباد کرنیکے لئے طرح طرح کے مظالم روا رکھے حتی کہ ان کے مقتدر پیشواؤں کو سولیوں پر لٹکایا گیا ان کے مدارس بند کر دیئے گئے انجمنیں توڑ دی گئیں گرچہ ازمنہ متوسط (یعنی از ۴۸۶ء تا ۱۴۹۵ء) کے بعد انھوں نے یہودیوں کی تکلیفوں کو کسی قدر محسوس کیا۔ لیکن تھوڑے ہی زمانے کے بعد وہ پہلا تعصب عود کر آیا اور پھر دوبارہ یہودیوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا گیا البتہ اب اتنا فرق ضرور تھا کہ اس مرتبہ کسی سیاسی مسئلہ کی کارفرمائی نے ان کو اس فعل پر برانگیختہ کیا۔ فی الحقیقت فلسطین میں یہودیوں کی آبادی ۱۹۱۴ء کی جنگ عمومی کا نتیجہ ہے جس میں انھوں نے یہ سمجھکر کہ اگر جرمنی ترکی یا اس کے اتحادیوں نے فتح حاصل کرلی تو یہودیوں کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا برطانیہ کا ساتھ دیا اور برطانیہ نے اپنی کامرانی کے بعد ۲ر نومبر ۱۹۱۷ء کو ان کے قومی وطن کے قیام کی طرف توجہ کی اور اس کے متعلق ایک تجویز پاس کی گئی جو "تصریح بالفور" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس وقت لارڈ بالفور برطانیہ کے وزیر خارجیہ تھے اور انھیں نے لارڈ اٹچیلڈ انگلستان کے مشہور یہودی کے نام ایک مکتوب ارسال کیا۔ جس کا مضمون صرف چند سطور کے بعد اجمالاً قارئین کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

اس جنگ سے پہلے بھی یہودیوں کو اپنے اس وطن فلسطین کا برابر خیال رہا کرتا تھا جو اب سے دو ہزار سال پہلے ان کا مسکن رہ چکا تھا ۱۸۸۶ء میں ایک یہودی ڈاکٹر ٹیوڈر ہرٹسل نے اپنی ایک کتاب کی اشاعت کے ذریعہ یہودیوں کے سامنے اس تجویز کو پیش کیا کہ "تمام یہودیوں کو چاہیئے کہ ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور تمام سلطنتیں ان کے ملک کی خود مختاری تسلیم کرلیں"

اس دعوت سے دنیا کے تمام یہودیوں نے اتفاق کیا اور ۱۸۹۷ء میں ایک "بال کانفرنس منعقد کی گئی جس میں دو سو یہودی نمائندے شریک ہوئے۔ "بال کانفرنس" نے قومی وطن کی تحریک منظور کرلی اور اس تحریک کا نام "صیہونی تحریک" ہوگیا اس کے لئے حسب ذیل تجاویز پر مشتمل ایک پروگرام تجویز کیا گیا۔

"صیہونی تحریک" کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کیلئے ایک ایسا قومی وطن بنایا جائے جس کی حمایت بین الاقوامی قانون کے ذمے ہو اس مقصد کی تکمیل کیلئے حسب ذیل وسائل اختیار کئے جائیں۔

(۱) یہودی کاشتکاروں اور دست کاروں کو فلسطین کی طرف ہجرت پر آمادہ کیا جائے۔
(۲) مقامی اور بین الاقوامی انجمنوں کے ذریعہ یہودیوں کی شیرازہ بندی کی جائے۔
(۳) یہودی قومیت کا جذبہ تمام ملک میں پیدا کیا جائے۔
(۴) عثمانی حکومت کو یہودی وطن کی تجویز قبول کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

اس پروگرام کے کامیاب بنانے کے واسطے ڈاکٹر ہرٹسل نے بہت کوشش کی۔ سلطان عبدالحمید کو اس تجویز کے منظور کرنے پر ورغلایا۔ برطانیہ کے پاس جزیرہ سینا کے حصول کیلئے درخواست دی افریقہ کے ایک وسیع علاقہ کیلئے گفت وشنید شروع کی گئی۔ لیکن یہ تمام محنتیں بیکار گئیں اور ڈاکٹر ہرٹسل کامیاب نہ ہو سکا۔

۱۹۰۴ء میں ڈاکٹر مذکور کا انتقال ہو گیا لیکن اس کی سرگرمیوں کے نتائج نے اس کے مرنے کے بعد بھی یہودیوں کو بہت کچھ تقویت پہنچائی چنانچہ اسکا قائم کردہ "یہودی نوآبادی بینک" اور "یہودی بیت المال" نے وقتاً فوقتاً یہودیوں کی بہت کچھ امداد کی اور یہی دو کام قوم یہود کیلئے عملی بنیاد بن گئے۔ اس کے بعد صیہونی کانفرنسیں برابر منعقد ہوتی رہیں لیکن اس عملی جدوجہد کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا کیونکہ اس سے خود ترکی حکومت نیز فلسطین کے مسلمانوں اور عیسائیوں کو بالکل اتفاق نہ تھا۔ اس کے بعد جنگ عظیم کا زمانہ آیا اور مسٹر بالفور نے یہودیوں کی قربانیوں اور ڈاکٹر حایم وزمان کی کوششوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انگلستان کے مشہور یہودی کے پاس حسب ذیل مضمون پر مشتمل ایک مراسلہ ارسال کیا۔ "میں نہایت ہی خوشی اور مسرت کے ساتھ حکومت کی طرف سے آپ کو اس بات کی اطلاع دیتا ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے قیام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے وہ اس مقصد کی تکمیل کیلئے ہر ممکن کوشش کرے گی البتہ وہ کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتی جو فلسطین کے غیر یہودی باشندوں کے دینی یا شہری حقوق کے منافی ہو۔ میں ممنون ہونگا اگر آپ اس تجویز کو صیہونی انجمن تک پہنچا دیں۔"

اس تجویز کے آتے ہی یہودیوں نے نہایت ہی جدوجہد سے اسکو عملی صورت میں پیش کرنا شروع کر دیا اور یہیں تک نہیں بلکہ یہودیوں نے اس کی تصدیق مجلس اقوام سے چاہی اور انھوں نے بھی اس کی منظوری دے دی۔

اس طرح فلسطین کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکالکر یہودیوں کو سونپ دیا گیا اور ان کا منتشر شیرازہ پھر ان کے قدیمی وطن فلسطین میں جمع ہو گیا۔ اور ابتک یہودیوں کی تعداد وہاں روز افزوں ترقی پر ہے۔

یہ ہے صیہونیت نوازی اور صیہونی تحریک کا ایک اجمالی خاکہ جس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح مسلمانوں کا وطن ان کے قبضہ سے نکالکر یہودیوں کے سپرد کیا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی ہر آواز کو دبانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

آخر میں ہم مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس جنگ آزادی میں اگر کچھ مادی قوت سے فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو روحانی فیوض سے ہی ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کریں۔

فقط